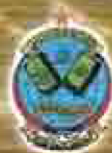
بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے

تالیف

شیخ العرب والعجم سید علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ



جمعیۃ اہل الحدیث السند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلہ مطبوعات 15

اِمام صَحِیحُ العَقِیدہ ہونا چاہیے

تالیف

شیخ العرب والعجم سید علامہ **ابو محمد بدیع الدین** شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ

فضیلۃ الشیخ **عبداللہ ناصر رحمانی** حفظہ اللہ

ناشر

جمعیۃ اہلحدیث سندھ کراچی ڈویژن

کراچی دفتر: الراشدی مسجد اہلحدیث موسیٰ لین لیاری، کراچی فون: 7511932

نام کتاب.......... امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیئے

مؤلف.......... شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

مقدمہ.......... فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

تصحیح ونظر ثانی..... فضیلۃ الشیخ محمد حسین بلتستانی حفظہ اللہ

تاریخ اشاعت ششم جمادی الثانی ۱۴۲۲- بمطابق ستمبر 2001ء

قیمت.......... [redacted]

کمپوزنگ....... محمد آصف مغل (گرین ٹاؤن، کراچی)

﴿ادارہ کی مطبوعات مندرجہ ذیل پتوں سے مل سکتی ہیں﴾

- ☆ دفتر جمعیت اہلحدیث سندھ جامع مسجد الراشدی' موسیٰ لین۔ کراچی فون: 7511932
- ☆ مکتبہ نور حرم ۶۰ نعمان سینٹر بلاک ۵ گلشن اقبال۔ کراچی فون: 4965124
- ☆ مکتبہ اہلحدیث ٹرسٹ، کورٹ روڈ، کراچی۔
- ☆ مکتبہ توحید' محمد جنید' دلی مسجد دہلی کالونی۔ کراچی
- ☆ عتیق سنز' مین اردو بازار۔ کراچی فون: 2631220
- ☆ علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔
- ☆ مکتبہ الدعوۃ السلفیہ نزد محمدی مسجد اہلحدیث' پکا قلعہ دروازہ۔ حیدر آباد
- ☆ مکتبہ السلفیہ' شیش محل روڈ۔ لاہور
- ☆ مکتبہ قدوسیہ' غزنی اسٹریٹ' اردو بازار۔ لاہور
- ☆ مکتبہ اسلامیہ' بھوانہ بازار۔ فیصل آباد فون: 631204
- ☆ جامع مسجد عثمان بن عفان سیکٹر G-11/2۔ اسلام آباد



الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی آله واصحابه ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین

امّا بعد

زیر نظر رسالہ کا موضوع یہ ہے کہ ”حنفی مذہب رکھنے والوں کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی“ کیونکہ ان کے عقائد میں بے پناہ اضطراب پایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ عقیدہ کا صحیح و درست ہونا دین اسلام کا اولین فریضہ اور سب سے اہم تقاضہ ہے۔ صحتِ اعتقاد پر ہی تمام اعمال کی درستگی اور قبولیت کا انحصار ہے۔ عقیدہ کا مرکز انسان کا دل ہے، جب کہ اعمال کا تعلق بقیہ انسانی اعضاء سے ہے...... چنانچہ ایک حدیث میں دل اور دیگر اعضاء انسانی کے باہمی تعلق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

الا انّ فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب.

یعنی ”جسم میں ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو تو تمام جسم درست ہے اور اگر وہ فاسد ہو جائے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ وہ ٹکڑا انسان کا دل ہے“۔

اس حدیث کی سب سے صریح دلالت یہی ہے کہ دل کی درستگی یعنی صحتِ اعتقاد پر، تمام بدن کی درستگی یعنی تمام اعمال کی مقبولیت موقوف و منحصر ہے۔ جبکہ دل کی خرابی یعنی فسادِ عقیدہ سے تمام جسم یعنی تمام اعمال کا فساد لازم آتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں منافقین کے تمام (بہ ظاہر) اعمال صالحہ کی نامقبولیت کو ان

کے دلی اضطراب یعنی فسادِ عقیدہ پر مرتب کیا گیا۔(فی قلوبھم مرض)
صحتِ عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام "حقائق شرعیہ ثابتہ" کے متعلق وہی فکر ہو جو قرآن و حدیث نے پیش کی ہے اور وہی منشا و مراد ہو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے۔ کسی مقام پر اس سے سرمُو انحراف کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد واضح ہو کہ حنفی مذہب رکھنے والوں کے بہت سے معتقدات ایسے ہیں جو قرآن و حدیث اور فکر سلف (صحابہ و تابعین وغیرہ) کے خلاف ہیں۔

چنانچہ زیرِ نظر رسالہ میں ان کے ایسے بہت سے عقائد کو انہی کی مستند و متداول (مروّج) کتب کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ تمام عقائد کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ زیر مطالعہ رسالہ میں جن جن عقائد کی نشاندہی کی گئی ہے ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) حنفی مذہب رکھنے والے، صفات باری تعالیٰ میں تاویل کرنا روا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کتب کے حوالوں سے بتایا گیا ہے کہ وہ "استواء علی العرش" کو غلبہ اور استیلاء کے معنی میں لیتے ہیں۔ ید اللہ (اللہ کے ہاتھ) کی تاویل قدرت سے کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علو (بلندی) کو بلندی مرتبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حالانکہ صفاتِ باری تعالیٰ پر مشتمل تمام آیات قرآنی آیات متشابہات کے دائرہ میں آتی ہیں۔ جن پر بلا کیف (کیفیت کی بحث میں پڑے بغیر) ایمان لانا فرض ہے۔ ایسا ایمان جو ہر قسم کی تاویل، تشبیہ یا تعطیل وغیرہ سے بالکل پاک اور مُبّرا ہو۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی نشانی قرار دیا اور اس فکر کے حامل افراد کو "راسخین فی العلم" کہا۔ جبکہ تاویلیں کرنے والوں کو "اہل زیغ" میں شمار کیا گیا ہے۔ جن کے دل ٹیڑھے اور منحرف و مضطرب ہوتے ہیں۔

اسی بحث کے ضمن میں بعض اکابر احناف کے حوالوں سے واضح کیا گیا ہے کہ وہ "نظریہ وحدت الوجود" کے حامل ہیں اور اس نظریہ کو اپنانے میں جتنی اللہ تعالیٰ کی توہین لازم آتی ہے وہ شاید ہی کسی دوسرے نظریہ میں پائی جاتی ہو۔ تعالیٰ اللّٰہ عن ذالك علواً کبیرا۔

(۲) حنفی مذہب رکھنے والے قرآن پاک کو کلام اللہ نہیں مانتے، بلکہ ایسا کلام مانتے ہیں جو اللہ کے کلام پر دال ہے۔ چنانچہ ان کے اسی نظریہ کے متعلق شرح عقائد نسفیہ سے متعدد نقول پیش کی گئی ہیں۔ بلکہ اس عقیدۂ فاسدہ کی بنیاد پر ایک اور عقیدۂ فاسدہ تراش لیا گیا اور وہ یہ کہ "جب یہ قرآن اصل قرآن کا مفہوم ہے تو پھر کسی دوسری زبان میں اسکا مفہوم بھی قرآن ہی ہوگا لہٰذا عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں نماز پڑھنا جائز ہے"۔

(۳) حنفی مذہب رکھنے والے "توسل بالذوات" کے قائل ہیں۔ اس ضمن میں رسالہ ھٰذا میں بعض ایسے اشعار نقل کیے گئے ہیں جو اکابرین احناف مثلاً علامہ اشرف علی تھانوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی وغیرہ نے کہے ہین اور ان میں صریح شرک پایا جاتا ہے۔

(۴) حنفی مذہب رکھنے والے رسول اللہ ﷺ کو ابدی زندگی کے ساتھ (زندہ) متصف کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کو قبر مبارک میں زندہ مانتے ہیں اور زندگی بھی دنیوی، برزخی نہیں، حالانکہ ہمیشہ زندہ رہنا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کی اس صفت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

(۵) ایمان کے متعلق احناف کا نظریہ صریح کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ نہ تو ایمان کی زیادتی وکمی کے قائل ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں بیشتر مقامات پر بعض اعمال کو زیادتیءایمان کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ اعمال کو ایمان کا

جز نہیں مانتے، بلکہ ان کے ہاں ''ایمان صرف زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق کا نام ہے''۔

یہاں ذرا سا غور کیجئے کہ جب اعمال کو وہ ایمان میں داخل ہی نہیں سمجھتے تو نماز بھی (ایک) عمل ہے، لہٰذا جب وہ نماز کو ایمان کا جز ماننے پر تیار نہیں تو پھر (اہلحدیث کی) نماز ان کی اقتداء میں کیونکر معتبر ہو سکتی ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بطورِ خاص نماز کو ایمان کہا ہے۔ احادیث میں ترک نماز کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے، تو پھر نماز کے ایمان ہونے میں کونسا امر مانع ہے؟ لہٰذا جب نماز کے مسئلہ میں ان کی بنیاد ہی غلط ہے تو پھر ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا چہ معنی دارد؟

قارئین کرام! مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ احناف کے اندر پائے جانے والے بہت سے عقائد انتہائی انحراف واضطراب کا شکار ہیں۔ لہٰذا ''مخل فی العقیدہ'' امام کی اقتداء کیسے درست ہو سکتی ہے؟

مسئلہ زیر بحث پر ایک اور پہلو سے بھی گفتگو ہو سکتی ہے اور وہ ''تقلید شخصی'' کی وہ صورت ہے جو ہمارے ملک میں عمومی طور پر ہر خاص وعام پر مسلط ہے الا ماشاءاللہ

چنانچہ ''تقلید جامد'' عقیدہ کا بہت بڑا انحراف ہے اور شرک کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے ظاہر وبیّن احکام پر اپنے امام کے قول کو مقدم کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک جھلک مندرجہ ذیل حوالہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

جامع ترمذی کے ساتھ ''التقریر للترمذی'' کے نام سے ایک رسالہ چھپا ہوا ہے جو مولوی محمود الحسن دیوبندی کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ اس میں ایک فقہی مسئلہ ''خیار مجلس'' پر بحث کرتے ہوئے موصوف نے شوافع کے ساتھ

اپنا اختلاف نقل کیا ہے۔ پھر مذہب شوافع کے استدلال میں بعض احادیث بھی نقل کی ہیں، اس کے بعد اپنا فیصلہ یوں صادر فرمایا ہے:۔

"الحق والانصاف ان الترجیع للشافعی فی هذه المسألة ونحن مقلدون یجب علینا تقلیدا امامنا ابی حنیفه"

یعنی حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ترجیح امام شافعی (کے موقف) کو حاصل ہے اور ہم چونکہ مقلد ہیں لہٰذا ہم پر تو امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے"۔ (التقریر للترمذی ص۳۹۔۴۰)

قارئین کرام ! یہاں پر "تقلید جامد" کا اسلوب ملاحظہ فرمائیں، پہلے حق کی تعیین خود فرما رہے ہیں اور پھر محض تقلید کی وجہ سے خلافِ حق یعنی باطل کو اختیار کر رہے ہیں۔ یہ انتہائی قابل مذمت جمود ہے۔ کیونکہ پہلے حق کا اعتراف کیا گیا ہے۔ جبکہ اعترافِ حق کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت اور حکم کچھ اور ہے اور امام ابو حنیفہ کا فیصلہ اس کے بر خلاف ہے۔ لہٰذا ہم اللہ، رسول کی نہیں بلکہ اپنے امام کی مانیں گے۔

نیز اس عبارت سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایسے نزاع کے موقع پر تقلید امام ضروری ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات یعنی حق کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

اب آپ انصاف سے بتایئے کہ اس قسم کی روش، اللہ کی شریعت میں دخل اندازی اور اس کے حکم میں شراکت کے مترادف نہیں؟

یقیناً یہ شرک فی الحکم ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

ولا یشرك فی حكمه احداً

نیز فرمایا :۔

فان تنازعتم فی شئ فردّوہ الی اللہ والرسول

نیز فرمایا :۔

لکُلٍّ جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجاً

قارئین کرام ! جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات، معبود برحق ہے اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت شرک ہے۔ ویسے ہی وہ ذات واحد لا شریک، شارع و حاکم ہے۔ اس کے سوا دوسروں کی اطاعت شرک ہے۔ فرق یہ ہے کہ پہلا شرک، شرک فی العبادۃ ہے جبکہ دوسرا شرک، شرک فی الاطاعۃ ہے۔

البتہ (شرعی امور میں) رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی فرض ہے کیونکہ ان کی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کوئی جدا چیز نہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے۔ فرمایا:۔

"من یطیع الرسول فقد اطاع اللہ" اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو حقیقۃً اس نے اللہ (ہی) کی اطاعت کی"۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

"من اطاع محمدا فقد اطاع اللہ ومن عصٰی محمدا فقد عصٰی اللہ"

یعنی جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

قارئین کرام ! تقلید شخصی کے شرک ہونے پر قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت انتہائی قابل غور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اتخذوا أحبارھم و رھبانھم أربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا إلا لیعبدو إلٰھا واحدا (التوبہ آیت ۳۱)

اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ اہل کتاب نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ

کے سوا اپنا رب بنایا ہوا تھا، حالانکہ اللہ کا فرمان یہ تھا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو لیکن ان کا اپنے علماء کو رب بنانے کا معنی یہ نہیں تھا کہ وہ ان کی عبادت کرتے تھے، یا ان کے نام کا (جانور) ذبح کرتے تھے یا انہیں سجدہ کرتے تھے، بلکہ رب بنانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہر چیز میں اپنے علماء کی اطاعت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سنن ترمذی میں اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:۔

"اما انهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا اذا احلوا لهم شيئاً استحلوه واذا حرموا عليهم شيئاً حرموه" (ترمذی)

یعنی وہ ان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ جب ان کے علماء ان کے لئے کسی چیز کو حلال کرتے تو اسے حلال مان لیتے تھے اور اگر کسی چیز کو حرام کرتے تو اسے حرام مان لیتے تھے۔

گویا ہر معاملہ میں علماء کی اطاعت اور ان کے (اپنے تئیں) حلال و حرام کردہ کو حلال و حرام قبول کرنا ہی انہیں رب بنانا تھا۔ اور ظاہر ہے یہ شرک ہے۔

صحابی رسول حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا "کیا اہل کتاب نے اپنے احبار و رہبان کی عبادت کی تھی؟ فرمایا، نہیں بلکہ ان کے حرام کردہ کو حرام مانتے تھے اور ان کے حلال کردہ کو حلال مانتے تھے۔ اسی چیز کو اللہ نے عبادت قرار دیا اور اسی قبیح حرکت کی بنا پر یہ ارشاد فرمایا کہ "انہوں نے اپنے علماء کو اپنا رب مان لیا ہے"۔

امام قرطبی نے اسی آیت کے تحت فرمایا ہے:۔

"جعلوا احبارهم ورهبانهم كالارباب حيث اطاعوهم فى كل شيئ"

"انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو رب کا درجہ دے دیا تھا کیونکہ ہر بات میں ان کی اطاعت کی تھی"۔ (تفسیر قرطبی جلد ۸ ص ۱۲۰)۔

افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں بھی تقلید جامد کی یہی صورت کارفرما ہے اور پورے دین کی عمارت ایک امام پر قائم کردی ہے اور تمام احکام میں ان کا (یعنی ان سے منسوب) فتویٰ اور قول قبول کیا جاتا ہے۔

یہ جمود، عقیدہ کا زبردست انحراف ہے۔ خود تمام ائمہ کرام اس جمود سے بری ہیں۔ لہٰذا جن ائمہ مساجد کی یہ روش ہو ان کی اقتداء کیسے درست ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اصلاح عقیدہ کی توفیق عطا فرمائے اور کتاب و سنت کی سچی محبت عطا فرمائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ واھل اطاعتہ اجمعین۔

وکتبہ / عبداللہ ناصر رحمانی

امیر جمعیۃ اھلحدیث سندھ



نحمد و نصلی علیہ رسولہ الکریم (اما بعد)

سوال: حنفی مذہب رکھنے والوں کے پیچھے یعنی ان کی اقتداء میں نماز درست ہے یا نہیں؟

بینوا بالبرھان ، توجبوا لاجر من اللہ المنان

جواب: وباللہ تعالیٰ التوفیق: عقائد حنفیہ میں چند ایسی بنیادی خامیاں موجود ہیں جو کہ ان کی اقتداء سے مانع ہیں۔

اوّلاً: صفات باری تعالیٰ میں تاویل کو بر قرار رکھنا اور درست سمجھنا۔ علامہ خلیل احمد سہارنپوری کی کتاب "المہند علی المفند" جو کہ عقائد علماء دیوبند کا مجموعہ ہے اور اس پر مشہور اور اکابر علماء دیوبند کی تصدیقیں موجود ہیں۔ مثلاً شیخ الہند علامہ محمود الحسن، علامہ امیر حسن امروہوی۔ علامہ اشرف علی تھانوی اور علامہ کفایت اللہ وغیرھم۔ اس کے صفحہ نمبر (١٠) میں ہے کہ "اور ہمارے اماموں نے آیات میں جو صحیح لغت اور شرع کے اعتبار سے جائز تاویلیں فرمائی ہیں تاکہ کم فہم سمجھ لیں۔ مثلاً استویٰ۔ اس سے مراد غلبہ ہوا اور ہاتھ سے قدرت۔ یہ بھی بات نزدیک ان کے حق ہے"۔ اس قسم کی تاویلیں عقیدہ سلف صالحین کے خلاف ہیں بلکہ قرآن وحدیث کے متعدد احکام کے بھی منافی ہیں۔

قال الحافظ ابوبکر الاسماعیلی اعلموا رحمکم اللہ ان مذاهب اهل الحدیث اهل السنة والجماعة الاقرار باللہ وملائکته وکتبه و رسله و قبول ما نطق به کتاب اللہ وما صحت به الروایة عن رسول اللہ ﷺ لا معدل عماورد به .

یعتقدون ان اللہ تعالیٰ مدعو باسمائہ الحسنیٰ موصوف بصفاتہ التی وصف بھا نفسہ ووصف بھا نبیہ خلق آدم بیدہ ویداہ مبسوطتان بلا اعتقاد کیف واستویٰ علی العرش ولم یذکر کیف کان استواؤہ علی العرش ولم یذکر کیف کان استواؤہ کذا فی کتاب العلو للعلی الغفار للحافظ الذھبی (ص ۱٤٥ الھندی).

حافظ ابو بکر اسماعیلی فرماتے ہیں کہ سمجھو! اللہ تعالی تم پر رحم کرے، بیشک اہلحدیث جو کہ (صحیح معنوں میں) اہل سنت والجماعت ہیں ان کے مذاہب یہ ہیں۔ "اللہ تعالی (کے موجود ہونے) کا اقرار کرنا اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں (کے برحق ہونے کا اقرار کرنا، جو چیز یا بات اللہ کی کتاب بتائے اور جو چیز نبی کریم ﷺ سے صحیح مروی ہو اس کو قبول کرنا"۔ (چونکہ) جو بات صحیح روایت سے ثابت ہو اس سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔ اہل حدیث کا اعتقاد ہے کہ بلا شک اللہ تعالی اپنے اچھے ناموں کے ساتھ پکارا جاتا ہے اور وہ ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہے جو صفتیں خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے بیان کی ہیں۔ نیز نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو جن صفات کے ساتھ موصوف کیا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس کے دونوں ہاتھ فراخ اور کھلے ہیں۔ لہٰذا اللہ کیلئے ہاتھ ہونے پر بغیر کیفیت و تصور کے اعتقاد اور ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ تعالی کے عرش پر مستوی ہونے پر ایمان لانا بغیر کیفیت کے، جیسے اس کی ذات کو لائق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے صرف یہی بتایا ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے اور اپنے مستوی ہونے کی کیفیت ذکر نہیں کی۔ حافظ ذہبی کی کتاب "العلو للعلی الغفار" کے صفحہ ۱۴۵۔ الہندی پر اسی طرح ہے۔

ثابت ہوا کہ احناف کی تاویلیں اجماع سلف کے خلاف ہیں اور سلف صالحین کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔ امام بیہقی کتاب ''الاسماء والصفات'' صفحہ ۳۹۱ طبع الہند میں امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں:۔

یقول کنا والتابعون متوافرون نقول: ان اللہ تعالیٰ ذکرہ فوق عرشہ و نؤمن بما وردت السنة بہ من صفاتہ جل و علا . اھ.

''ہم اور کثیر تابعین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر ہمارا ایمان ہے جو بھی سنت سے ثابت ہیں''۔

وقال الحافظ ابو عبداللہ بطة فی کتاب الإبانة : اجمع المسلمون من الصحابة والتابعین ان اللہ علی عرشہ فوق سمٰوٰتہ بائن من خلقہ .

''حافظ ابو عبداللہ بطہ کتاب ''الإبانة'' میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر آسمانوں پر اپنی مخلوق سے بالکل الگ تھلگ ہے''۔

اسی طرح ائمہ دین ابو اسماعیل انصاری عبدالرحمٰن بن حاتم۔ ابو نصر السجزی، ابو الحسن اشعری، ابو عمر الطلمنکی، ابو نعیم اصفہانی اور ابو بکر اسماعیل الصابونی نے بھی سلف کا اجماع نقل کیا ہے۔ کما فی ''العلو للذہبی''۔ اور امام حاکم کی ''معرفة علوم الحدیث'' صفحہ ۸۴ میں امام ابن خزیمہ سے منقول ہے کہ:۔

یقول من لم یقر بأن اللہ تعالیٰ علیٰ عرشہ قد استویٰ فوق سمٰوٰتہ فھو کافر بربہ یستتاب فان تاب والاضربت عنقہ والقی علی بعض المزابل حیث لا یتأذی المسلمون والمعاھدون بنتن ریح جیفتہ و کان مالہ فیئاً لا یرثہ احد من

المسلمین اذا المسلم لا یرث الکافر کما قاله ﷺ . اہ.

"فرماتے ہیں، جو شخص آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کے اپنے عرش پر مستوی ہونے کا اقرار نہ کرے، وہ اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔ اس کو توبہ کی تلقین کی جائے۔ اگر توبہ کرے تو بہتر، ورنہ اس کی گردن اڑادی جائے اور اس کو گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا جائے تاکہ مسلمان اور ذمی لوگ اس کی لاش کی بدبو سے تکلیف نہ پائیں (اس کا یہ حال بطور نصیحت ہوگا) کوئی مسلمان اس کا وارث نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ کافر کا وارث مسلمان نہیں ہوسکتا۔

مزید تفصیل کیلئے ہماری کتاب "توحید خالص" دیکھنی چاہیئے۔ اور دوسری طرف علماء حنفیہ کی معتبر تفسیر جس کا مصنف علامہ ابوالبرکات النسفی ہے۔ جس کو مجتہد فی المذہب شمار کیا گیا ہے۔ کما فی التعلیقات السنیۃ علی الفوائد البہیۃ للعلامہ عبدالحیٔ لکھنوی صفحہ ۱۰۱۔ موصوف اپنی تفسیر "مدارک التنزیل و حقائق التاویل" میں ہر جگہ استویٰ کا معنی استیلاء کرتے ہیں اور ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

(ثم استویٰ) استولےٰ (علی العرش) اضاف الاستیلاء الی العرش وان کان سبحانه و تعالیٰ مستولیا علیٰ جمیع المخلوقات لان العرش اعظمها واعلاها و تفسیر العرش بالسریر والاستواء بالاستقرار کما تقوله المشبهة باطل، لانه تعالی کان قبل العرش والمکان، وهو الان کما کان لان التغیر من صفات الاکوان. اہ. (مدارك التنزیل ص ٥٦ ج ٢)

"ثم استویٰ کا معنی کرتے ہیں کہ استولیٰ یعنی اللہ تعالیٰ غالب ہوا عرش پر۔ استیلاء یعنی غلبہ کی نسبت عرش کی طرف ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ جمیع مخلوق پر غالب ہے۔ کیونکہ عرش تمام مخلوق سے بڑا اور اونچا ہے۔ عرش کا معنی چارپائی یا تخت کرنا اور استواء

کا معنی استقرار (یعنی قرار پکڑنا) کرنا جیسا کہ فرقہ مشبہہ کا عقیدہ ہے، باطل ہے۔ کیونکہ ایک حالت سے دوسری کی طرف تغیر، ممکنات کی صفات سے ہے"۔

اور ملا علی قاری شرح فقہ الاکبر (صفحہ ۱۵۵ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ) میں لکھتے ہیں۔

واما علوه تعالىٰ على خلقه المستفاد من نحو قوله تعالىٰ "وهو القاهر فوق عباده" فعلو مكانة و مرتبة لا علو مكان كما هو مقرر عند اهل السنة والجماعة بل وسائر طوائف الاسلام من المعتزلة والخوارج وسائر اهل البدعة الا طائفة من المجسمة و جهلة من الحنابله القائلين بالجهة تعالىٰ الله عن ذلك علوا كبيرا. و قد اغرب الشارح حيث قال فى قوله تعالى "نزل به الروح الامين على قلبك" فى ذلك اثبات صفة العلو لله تعالى انتهى وغرابته لا تخفىٰ اذا لنزول والتنزيل تعديتها بعلىٰ، والمراد بنزوله ههنا من جهة السماء علىٰ ان الكلام فى علوا لمكان علىٰ قلب الرسول ﷺ ولا نزاع فى هذا المقام ولا يلزم من ذالك علو المكان للملك العلام. واما قوله: وكلام السلف فى اثبات صفة العلو كثير جداً بعد ما ذكر بعض الأيات والاحاديث الدالة علىٰ صفة الفوقية و نعت العلوية فسلّم الا انه مؤول كله بعلو المكانة . اه و هكذا نحوه فى المسائرة لابن همام مع شرح المسامرة.

"اللہ تعالی کا اپنی مخلوق پر بلند ہونا، اللہ تعالی کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے "وهو القاهر فوق عباده" اور وہ بلند اور غالب ہے اپنے بندوں پر۔ اس سے مراد مرتبہ کی

بلندی مراد ہے۔نہ کہ کوئی مکان اور جگہ کے اعتبار سے بلندی مراد ہے۔اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہی مراد ہے۔بلکہ اسلام کے باقی فرقے معتزلہ، خوارج اور اہل بدعت کے نزدیک یہی مراد ہے۔ سوائے مجسمہ فرقے اور جاہل حنبلیوں کے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت کے قائل ہیں۔ اللہ تعالی اس سے بلند اور بڑا ہے۔ شارح کا اللہ تعالیٰ کے قول "اتارا اس کو جبریل امین نے تیرے دل پر" سے اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علو ثابت کرنا عجیب و غریب بات ہے جو کہ بالکل واضح ہے کیونکہ نزول اور تنزیل علو کا پتہ دیتے ہیں۔ یہاں نزول سے مراد آسمان کی طرف سے اترنا ہے۔اس بنا پر کہ کلام، نبی کریم ﷺ کے دل سے کسی بلند جگہ پر ہے۔اس مقام پر کوئی جھگڑا نہیں ہے اور اس سے مالک الملک کا بلند مقام پر ہونا لازم نہیں آتا ۔اس کا (شارح کا) اور سلف کا ان آیات اور احادیث سے جو کہ فوقیت کی صفت اور صف علو پر دلالت کرنے والی ہیں، خدا تعالیٰ کیلئے صفت علو ثابت کرنا مسلم ہے، لیکن وہ مؤوّل ہے (یعنی تاویل کیا گیا ہے) کہ اس سے مکان کی بلندی مراد نہیں بلکہ اس سے مرتبہ اور شان کی بلندی مراد ہے۔ابن ہمام کی کتاب مسائرہ مع شرحہ مسامرہ کے صفحہ ۳۰ تا ۳۴ پر اسی طرح کا ذکر ہوا ہے"۔

اور موجودہ احناف کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب کی ملفوظات معروف بہ "شمائم امدادیہ" سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔صفحہ ۳۸ پر ہے:۔

"بندہ قبل وجود خود باطن خدا تھا اور خدا ظاہر بندہ"۔

"بندہ اپنے وجود ظاہری سے پہلے خود ہی باطنی طور پر خدا تھا۔اب بندہ ہی خدائے ظاہر ہے"۔

دلیل میں پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

کنت کنزا مخفیا الخ "میں پوشیدہ خزانہ تھا......الخ

اور صفحہ ۵۹ پر ہے کہ فرمایا کہ:۔

انی انا ربك فاخلع نعليك "بے شک میں تیرا رب ہوں، پس اپنے جوتے اتار دو"۔

"جو طور پر آواز آئی تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باطن سے آئی تھی، سب انسانوں میں موجود ہے"۔ اور صفحہ ۷۱ پر فرمایا کہ "چونکہ آنحضرت ﷺ واصل بحق ہیں عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں"۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قل يا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسهم ...... الاية

"فرما دیجئے! اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے" مرجع ضمیر متکلم آنحضرت ﷺ ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے فرمایا کہ قرینہ بھی انہی کا معنیٰ کا ہے۔ آگے فرمایا ہے:۔

"لا تقنطوا من رحمة الله تم اللہ کی رحمت سے مت ناامید ہو جاؤ"۔

اگر مرجع اس کا اللہ تعالیٰ ہوتا۔ فرماتا من رحمتی تا کہ مناسبت عبادی کی ہوتی اور صفحہ ۷۰ پر ہے:۔

"فرمایا کہ عورت مظہر مرد کی ہے اور مرد مظہر حق کا ہے۔ عورت آئینہ حق تعالیٰ ہے اور اس میں جمالِ ایزدی ظاہر و نمایاں ہے"۔ اور صفحہ ۱۰۰ پر ہے "میں (راوی) نے عرض کیا کہ آپ کی خادمہ پیرانی صاحبہ سے نقل کرتی ہیں کہ ایک بار میرے بھتیجے حج کو آئے تھے۔ آگبوٹ تباہی میں آگیا۔ حالت مایوسی میں انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک طرف حاجی صاحب اور دوسری طرف حافظ جیو صاحب آگبوٹ کو شانہ دیتے ہوئے تباہی سے نکال رہے ہیں۔ صبح کو معلوم ہوا کہ آگبوٹ دو دن کا راستہ طے کر کے صحیح و سالم کنارے پر لگ گیا۔ فرمایا کہ مجھ کو کیا معلوم؟ فاعل حقیقی خداوند کریم ہے۔ کیا عجب کہ صحیح ہو۔ دوسروں کے لباس میں آ کر خود

مشکل آسان کر دیتا ہے اور نام ہمارا تمہارا ہوتا ہے"۔ اور حاجی امداد اللہ ضیاء القلوب صفحہ ۲۲ میں لکھتے ہیں کہ مراقبہ وحدت ہمہ اوست اور "هو الاوّل هو الآخر" (اس کا وجود ہر جگہ جلوہ فرما ہے اور ابتداء انتہا میں وہی ہے)۔ زبان سے کہے اور تصور کرے کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اور اسی خیال میں مستغرق ہو جائے اور پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں کہ: دیگر مراقبات بہت ہیں جیسے:۔

(اینما تولوا فثم وجه الله) اور (كان الله عليكم رقيبا) اور (وهو بكل شئ محيط) اور (فی انفسكم افلا تبصرون)

"جدھر منہ پھیرو ادھر ہی خدا ہے۔ خدا تمہاری حالتوں کا معائنہ فرماتا ہے۔ خدا ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ خدا تم میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو"؟۔

ثانیاً: حنفیہ مابین الدفتین (جو چیز دوگتوں یا تختیوں کے درمیان ہے) قرآن کو کلام اللہ (اللہ کا کلام) نہیں مانتے۔ شرح عقائد النسفیہ حنفی مذہب کی مشہور کتاب ہے اور مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے صفحات ۴۱ سے ۴۴ تک دیکھنا چاہیئے۔ چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:۔

فنحن لا نقول بقدم الالفاظ و الحروف و هم لا يقولون بحدوث الكلام بل هو معنى قديم قائم بذات الله تعالىٰ يلفظ و يسمع بالنظم الدال عليه و يحفظ بالنظم المخيل و يكتب نقوش واشكال موضوعة للحروف الدالة عليه ...... فمعنى قوله تعالىٰ "حتى يسمع كلام الله" يسمع ما يدلك عليه كما يقال سمعت علم فلان فموسىٰ عليه السلام سمع صوتا دالا على الله تعالىٰ لكن لما كان بلا واسطة الكتاب و الملك خص باسم الكليم ...... التحقيق ان كلام الله تعالىٰ اسم مشترك بين

الكلام النفسي القديم و معنى الاضافة كون صفة له تعالىٰ و بين اللفظي الحادث المؤلف من السور والآيات ومعنى الاضافة انه مخلوق الله تعالىٰ ليس من تاليفات المخلوقين۔

''ہم قرآن مجید کے الفاظ اور حروف کو قدیم نہیں مانتے اور وہ کلام کے حادث ہونے کے قائل نہیں ہیں ...... بلکہ قرآن کا معنی قدیم ہے جو اللہ تعالیٰ ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نظم کے ساتھ تلفظ کرتا ہے جو کہ اس قدیم معنی پر دلالت کرنے والا ہے اسی نظم کو اللہ تعالیٰ سناتا ہے اسی خیالی تصوراتی نظم کی حفاظت کی جاتی ہے اور اس کے نقوش اور ان شکلوں کو لکھا جاتا ہے جو کہ ان حروف کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ جو حروف معنی پر دلالت کرتے ہیں ...... پس اللہ تعالی کے قول ''حتی یسمع کلام اللہ'' کا معنی ہے کہ یہاں تک کہ وہ الفاظ وغیرہ سنے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر دلالت کرتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کا علم سنا...... لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے آواز سنی جو کہ اللہ تعالیٰ پر دلالت کرنے والی تھی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا سننا بغیر کتاب اور بغیر فرشتہ کے واسطے سے تھا۔ اسی لئے کلیم اللہ کا خاص لقب پایا...... تحقیق یہ ہے کہ کلام اللہ پر اطلاق بالاشتراک کلام نفسی پر بھی ہوتا ہے۔ اس وقت کلام کی اضافت اللہ کی طرف اس معنی میں ہے کہ کلام اللہ اللہ کی صفت ہے۔ اور کلام اللہ کا اطلاق کلام لفظی پر بھی ہوتا ہے جو کہ حادث ہے۔ اور سورتوں اور آیات سے مل کر بنتا ہے اس وقت کلام کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس معنی میں ہے کہ کلام اللہ، اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اور مخلوقات کی تالیفات میں سے نہیں ہے''۔

یہ عقیدہ بھی سلف امت کے بالکل خلاف ہے۔

قال ابوبكر المحلال انباني حرب الكرماني ثنا اسحاق بن

راهويه عن سفيان عن عمرو بن دينار قال ادركت الناس منذ سبعين سنة اصحاب رسول الله ﷺ فمن دونهم يقولون الله خالق وما سواه مخلوق الا القرآن فإنه كلام الله منه خرج واليه يعود وقد تواتر هذا عن ابن عيينة . كتاب العلو للذهبى (ص ١٣٠ الهندى) .

"عمرو بن دینا نے فرمایا کہ میں ستر سال سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگوں سے سنتا آیا ہوں کہ وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے، اس کے علاوہ قرآن کو چھوڑ کر باقی تمام کائنات مخلوق ہے کیونکہ قرآن مقدس اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس سے اس نکلا اور اسی کی طرف لوٹے گا۔ یہ بات ابن عیینہ سے تواتر کے ساتھ مروی ہے"۔

اور اس طریقہ کی بنا پر علمائے حنفیہ کے نزدیک غیر عربی زبان میں نماز پڑھنی درست ہے۔ اور اصل الفاظ قرآنیہ کی بجائے ان کا ترجمہ پڑھا جائے تو کافی ہے۔ کیونکہ بقول اس کے، کلام اللہ تو صرف لوح محفوظ ہیں وہ تو اس کا مفہوم ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب ہدایہ صفۃ الصلوٰۃ میں ہے:۔

ولابى حنيفة قوله تعالىٰ "وانه لفى زبر الاولين" ولم يكن فيها بهذه اللغة ولهذا يجوز عند العجز الا أنه يصير مسيئا لمخالفة السنة المتوارثة ويجوز باى لسان كان سوى الفارسية هو الصحيح لما تلونا والمعنى لا يختلف باختلاف اللغات والخلات فى الاعتداد ولا خلاف فى انه لا فساد.

"امام ابو حنیفہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے قول (انه لفى زبر الاولين) (تحقیق وہ یعنی قرآن پہلے صحیفوں میں ہے) کا معنی یہ ہے کہ قرآن ان صحیفوں میں اس لغت

کے ساتھ نہیں تھا۔ اسی وجہ سے عذر کی بنا پر غیر عربی میں قرآن پڑھنا جائز ہے، اگرچہ سنت متواترہ کی بنا پر مکروہ ہے۔ اور فارسی کے علاوہ باقی ہر زبان میں قرآن پڑھنا جائز اور صحیح ہے۔ جیسا کہ ہم نے وضاحت کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ لغات کے اختلاف سے معنی میں تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ غیر عربی میں قرآن کی تلاوت کے معتبر ہونے میں صرف اختلاف ہے۔ غیر عربی میں کتاب (قرآن) کو پڑھنے سے معنی فاسد نہیں ہوتا، اس میں اختلاف نہیں ہے۔

اور کفایہ شرح الهدایہ علی ھامش فتح القدیر ص۲۰۰ ج ۱ میں ہے:۔

وصفه بكونه فى زبر الاولين ولم يكن القرآن بنظم فيها لا معالته فتعين ان يكون بمعناه فيها المقرر بالفارسية على سبيل الترجمه مشتمل على معناه فيكون جائزا الحاقابه.

"قرآن مقدس کے پہلے صحیفوں میں ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنے نظم کے ساتھ ان صحیفوں میں تھا۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید ان صحیفوں میں اپنے معنی کے ساتھ تھا۔ اسی طرح قرآن کے معنی پر مشتمل فارسی قرأت بھی جائز ہوئی"۔

حالانکہ قرآن وحدیث میں اسی قرآن کو کلام اللہ کہا گیا ہے اور اجماع سلف صالحین سے بھی یہی ثابت ہے۔

ثالثاً:۔ حنفیہ توسل کے قائل ہیں اور دراصل مشرکین کا یہی عقیدہ تھا۔ علامہ خلیل احمد سہارنپوری کتاب مذکورہ میں ص ۷ میں لکھتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء واولیاء شہداء وصدیقین کا توسل لینا جائز ہے۔ ان کی حیات میں یا بعد وفات میں۔ بایں طور پر کہے کہ یا اللہ بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں۔ اور بعد میں لکھتے ہیں کہ ہمارے اکابر مرشد العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی شیخ المشائخ

قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوھی اور حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ نے اپنے بزرگان کے شجرے تصنیف فرمائے ہیں جو ان کے متوسلین میں شائع اور معمول بہا ہیں۔ علامہ تھانوی کے مؤلفہ ''قربات عند اللہ'' اور ''مناجات مقبول'' اس پر شاہد عدل ہیں کہ ان کے ہاں بتوسل اولیاء کرام حضرت حق تعالیٰ سے دعا کرنا جائز اور معمول بہا ہے۔ مناجات مقبول کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

صدقہ اپنے عزت و جلال کا
صدقہ پیغمبر کا ان کے آل کا
اپنے پیغمبر کا صدقہ اے خدا
نام جن کا ہے محمد مصطفیٰ ﷺ
حضرت موسیٰ کا صدقہ اے کریم
جو ہیں پیغمبر تیرے اور ہیں تیرے کلیم

اور یہی حاجی امداد اللہ صاحب جن کو مرشد العرب والعجم کہا گیا۔ ان کی ملفوظات ''شمائم امدادیہ'' ص ۸۴ میں اشعار ہیں، جن میں وہ اپنے مرشد شاہ نور محمد کو یوں خطاب کرتے ہیں کہ۔

آسرا دنیا میں ہے از بس تمہاری ذات کا
تم سوا اوروں سے ہر گز کچھ نہیں ہے التجا
بلکہ دن محشر کا ہو گا جس وقت قاضی خدا
آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا برملا
اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا

اس قسم کا عقیدہ صریحاً شرکیہ ہے۔ العیاذ باللہ

رابعا: قرآنی عقیدہ کے مطابق ہمیشہ زندہ رہنے والی ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

الله لا اله لا هو الحي القيوم (البقرة ع ٣٤ پ ٣)

هو الحي لا اله الا هو فادعوه مخلصين له الدين الحمد لله رب العالمين (المومن ع ٧ پ ٢٤)

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ زندہ اور قائم ودائم ہے"۔

"وہ ہمیشہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس خالص اسی کو پکارو تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے"۔

اور اس صفت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اور حنفی مذہب کے بموجب رسول اللہ ﷺ کو بھی اس دنیا والی حیات ہی قبر میں حاصل ہے۔ اور علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح علیٰ نور الایضاح ص ۴۴۷ مع حاشیہ طحطاوی میں لکھتے ہیں کہ:۔

ومما هو المقرر عند المحققين انه ﷺ حي يرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات. اه.

"علمائے محققین کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں تمام لذتوں اور عبادات سے (بہرہ مند ہوتے ہیں) فائدہ دیے جاتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں جو کہ اعلیٰ مقامات سے قاصر ہیں"۔

اور عقائد دیوبند صفحہ ۷ میں ہے کہ "ہمارے نزدیک ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیاتی دنیا کی حیاتی

ہے۔ مکلّف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور شہداء کے ساتھ۔ یہ حیات برزخی نہیں ہے، جو حاصل ہے تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو"۔اھ۔ یہ عقیدہ صریحاً قرآن مجید کے خلاف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:۔

" انك ميت وانهم ميتون (الزمر رکوع ۳ پ ۲۳)".

"تحقیق آپ بھی مرنے والے ہیں اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں"۔

نیز علامہ قاسم نانوتوی نے مسئلہ حیات النبی ﷺ کی بابت ایک مستقل کتاب بنام "آب حیات" لکھی ہے جس کے صفحہ ۲ میں رقمطراز ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چلاکشوں کے عزلت گزین (تنہائی میں)"۔

خامساً: ایمان کے متعلق سلف اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ:۔

قول وعمل و يزيد وينقص قال فى فتح البارى (ص ٥٢/ ٤٧ ط الرياض ج ١)".

" وقد نقل محمد بن نصر المروزى فى كتاب تعظيم قدر الصلوٰة عن جماعة من الائمة نحو ذلك وما نقل عن السلف صرح به عبد الرزاق فى مصنفه عن سفيان الثورى ومالك ابن انس والاوزاعى وابن جريج ومعمر وغيرهم وهٰؤلاء فقهاء الامصار فى عصرهم وكذا نقله ابو القاسم اللكائى فى (كتاب السنة) عن الشافعى واحمد بن حنبل و اسحاق بن راهويه وابى عبيد وغيرهم من الائمة وروىٰ بسنده الصحيح عن البخارى قال لقيت اكثر من الف رجل من العلماء بالامصار فما رأيت احداً منهم يختلف فى ان الايمان قول و

عمل ویزید وینقص واطنب ابن ابی حاتم واللالکائی فی نقل ذالك بالاسانید عن جمع کثیر من اصحابة والتابعین وکل من یدور علیه الاجماع من الصحابة والتابعین وحکاه فضیل ابن عیاض ووکیع عن اهل السنة الجماعة.اه".

"یعنی ایمان قول اور عمل کا مجموعہ ہے اور زیادہ کم ہوتا ہے"۔

محمد بن نصر مروزی نے کتاب "تعظیم قدر الصلوٰۃ" میں نقل کیا ہے کہ آئمہ کی ایک جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور زیادہ اور کم ہوتا ہے۔ علامہ عبد الرزاق نے اپنی "مصنف" میں سلف سے اس بات کی تصریح کی ہے۔ مثلاً سفیان ثوری مالک بن انس اور اوزاعی ابن جریج اور معمر وغیرہ جو کہ اپنے شہروں اور اپنے زمانہ کے مشہور فقہاء ہیں۔ ابو القاسم اللالکائی نے کتاب السنۃ میں امام شافعی، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ اور ابی عبید وغیرہ اماموں سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ صحیح سند کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں! میں نے مختلف شہروں میں ایک ہزار سے زائد علماء کو پایا وہ سبھی اس بات کے قائل تھے کہ ایمان قول ہے اور عمل ہے بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ ابن ابی حاتم اور اللالکائی نے بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے اسانید کے ساتھ اس کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ یہی بات ایسے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے منقول ہے جن کی بات اجماع کا فائدہ دیتی ہے۔ ایمان کی یہی مذکورہ بالا تعریف فضیل بن عیاض اور وکیع نے اہل سنت سے نقل کی ہے"۔

نیز بے شمار آیات قرآنیہ اسی پر دلالت کرتی ہیں:۔

الف: واذا تلیت علیهم آیاته زادتهم ایمانا (الانفال پ ۹ ع ۱)

ب: ویزداد الذین آمنوا ایمانا (المدثر پ ۲۹ ع ۱) وغیرها

من الآیات".

"اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات ان پر پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمانوں میں زیادتی ہوتی ہے تاکہ ایمان داروں کے ایمان کو اور زیادہ کرے"۔

ان کے علاوہ اور آیات بھی ہیں۔ اسی مضمون کی بابت کئی حدیثیں بھی وارد ہیں۔ بالخصوص امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الایمان کے عنوان کے تحت کئی ایسے ابواب اور تراجم جمع کئے ہیں، جن سے سلف کا مسلک واضح اور مبرہن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امام ابن ابی شیبہ اور امام ابو عبید القاسم بن سلام کی "کتاب الایمان" کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ نیز امام ابن خزیمہ کتاب التوحید صغیر صفحہ ۹ پر فرماتے ہیں کہ:۔

" ولقد ادركت رجالا من العلماء و الفقهاء بالعراق وسائر البلدان فساء لتهم عن الايمان فقالو بأجمعهم الايمان قول وعمل ونية ويزيد وينقص".

"اللہ کی قسم میں نے عراق اور دیگر شہروں میں بے شمار علماء اور فقہاء سے ایمان کے بارے میں پوچھا تو ان سب نے کہا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے"۔

لیکن علماء حنفیہ کا ان کے خلاف عقیدہ ہے۔ وہ ایمان کو صرف دو چیزوں کا مجموعہ بتلاتے ہیں:۔

" الاقرار باللسان والتصديق بالقلب".

"زبان سے اقرار کر لینا اور صدق دل سے مان لینا"۔

اعمال کو ایمان میں داخل نہیں کرتے اور نہ ان کو ایمان کا جز تسلیم کرتے ہیں۔ امام طحاوی کے کتاب العقیدہ صفحہ ۱۷ میں ہے کہ:۔

" الايمان هو الاقرار باللسان والتصديق بالجنان .اه .

"ایمان دو چیزوں کا مجموعہ ہے زبان سے اقرار کرلینا اور دل سے تصدیق کرنا"۔

اور علامہ ابو المنتھیٰ المغنیساوی الحنفی شرح الفقہ الأکبر صفحہ ۳۱ میں فرماتے ہیں:۔

" ان العمل الصالح لیس جزأ من الایمان لان العمل یزید وینقص اھ".

"عمل صالح ایمان ایمان کا جز نہیں ہے کیونکہ عمل میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے"۔

اور شرح عقائد نسفیہ صفحہ ۸۸ میں ہے:۔

فھٰھنا مقامان: الاوّل ان الاعمال غیرہ داخلة فی الایمان لما مرمن ان حقیقة الایمان ھو التصدیق لانه قد ورد فی الکتاب والسنة عطف الاعمال علی الایمان کقوله تعالیٰ: ان الذین امنوا وعملوا الصٰلحات : مع القطع بان العطف یقتضی کمعایرة .المقام الثانی ان حقیقة الایمان لا تزید ولا تنقص لما مرمن انھا التصدیق القلبی الذی بلغ حد الجزم والاذعان وھذا لا یتصور فیه زیادة ولا نقصان حتی ان من حصل له حقیقة التصدیق فسواء اتی بالطاعات اوارتکب المعاصی فتصدیقه باق علی حاله لا تغیر فیه اصلا : اه .مختصر وھٰکذا فی عامة کتبھم".

"پس اس جگہ دو مقام ہیں پہلا یہ ہے کہ تحقیق اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل مذکور ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے کیونکہ کتاب و سنت میں اعمال کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے۔ جیسے فرمان خداوندی ہے (ان

الذین آمنوا وعملو الصالحات)(اور بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے) حالانکہ یقیناً معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ لہٰذا اعمال ایمان سے خارج ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت میں زیادتی اور کمی نہیں ہوتی۔ جیسے کہ بیان ہوا کہ ایمان کی حقیقت یقین کی حد تک پہنچنے والی تصدیق ہے اور اس میں زیادتی اور کمی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ جو شخص حقیقی تصدیق یقین رکھنے والا ہے وہ اچھے اعمال کرے یا برے اعمال کا مرتکب ہو اس کی تصدیق (ایمان وایقان) میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دونوں حالتوں میں تصدیق ایک ہی حالت پر باقی رہتی ہے"۔ ان کی اکثر کتابوں میں یہی عقیدہ مذکور ہے۔

اور بنابریں نماز ان کے نزدیک ایمان نہیں حالانکہ کتاب وسنت میں اس کو ایمان کہا گیا ہے۔

"فی الصحیح البخاری کتاب الایمان، با الصلوٰۃ من الایمان وقول اللہ تعالیٰ "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" یعنی صلوتکم عند البیت وفی فتح الباری (ص۳۳ ج ۱) وقع التنصیص علی هذا التفسیر من الوجه الذی اخرج منه المصنف حدیث الباب فروی الطیالسی والنسائی من طریق شریك وغیره عن ابی اسحق عن البراء فی الحدیث المذکور فانزل اللہ (وما کان اللہ لیضیع ایمانکم) صلاتکم الی بیت المقدس".

"صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہے۔ باب اس مسئلہ پر کہ نماز ایمان میں داخل ہے، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا"۔ مراد یہ ہے کہ تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۳۳ میں اس تفسیر پر اس طریق یا سند

سے صراحیت ذکر کی گئی جس طریق سند سے مصنف (امام بخاری) نے باب کی حدیث روایت کی ہے۔ امام طیالسی اور امام نسائی نے مذکور حدیث میں شریک اور شریک کے علاوہ اوروں سے ابو اسحاق سے براء سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں ضائع کرنے والا نہیں"۔

اور اسی لئے حنفی مذہب کے رکن رکین امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی کی اسلامی عدالت میں گواہی قبول نہیں کی گئی۔

" ونقل ابن عدی عن اسحق بن راھویه سمعت آدم یقول کان شریك لا یجوز شهادة المرجئة فشهد عنده محمد بن الحسن فرد شهادته فقیل له فی ذالك فقال انا لا اجیز من یقول الصلوٰة لیس من الایمان (لسان المیزان ص ۱۲۱،۱۲۲ ج۵)".

"ابن عدی نے اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن آدم سے سنا کہ شریک مرجیہ کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے اس کے نزدیک محمد بن حسن نے گواہی دی۔ اس نے اس کی گواہی کو ٹھکرادیا چنانچہ اس کے بارے میں جب ان سے پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ اس شخص کی گواہی قبول نہیں کرتا جو شخص نماز کو ایمان میں سے نہیں مانتا"۔

اور امام عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنی کتاب السنۃ صفحہ ۸۳ پر فرماتے ہیں:۔

" حدثنی یعقوب بن ابراھیم الدورقی حدثنا عبد الرحمن بن مھدی قال بلغنی ان شعبة قال لشریك کیف لا تجیز شهادة المرجیة قال کیف اجیز شهادة قوم یزعمون ان الصلوٰة لیست من الایمان .اھ."

"عبداللہ بن مہدی فرماتے ہیں کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ شعبہ نے شریک سے دریافت کیا تم مرجیہ کی شہادت کیوں قبول نہیں کرتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ایسے لوگوں کی گواہی کیسے قبول کروں جو نماز کو ایمان کا حصہ ہی نہیں مانتے"۔

اور اسی طرح کا معاملہ امام صاحب کے دوسرے شاگرد قاضی ابویوسف کو بھی در پیش آیا۔ امام محمد بن خلف الوکیع کتاب اخبار القضاۃ صفحہ ۲۶۱ ج ۳ میں فرماتے ہیں:۔

"اخبرني جعفر بن محمد قال سمعت اسحاق بن راهويه يقول سمعت يحيىٰ بن آدم يقول رد شريك شهادة ابى يوسف فقيل له اترد شهادة ابى يوسف فقيل له اترد شهادته فقال الا ارد شهادته وهو يقول ان الصلوٰة ليس من الايمان اه.

"جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ سے سنا کہ وہ فرمارہے تھے کہ میں نے یحییٰ بن آدم سے سنا کہ شریک نے ابویوسف کی گواہی کو رد کر دیا۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ میں اس کی شہادت کیوں نہ رد کروں؟ حالانکہ وہ اس عقیدہ کا مالک ہے کہ نماز ایمان کا جز نہیں ہے"۔

اور امام حافظ ابوسعد العجلی تاریخ و معرفۃ الثقات (قلمی) مطبوع ص ۴۸۱ کے باب الکوفیین میں فرماتے ہیں:۔

" جاء حماد بن ابى حنيفة الىٰ شُريك يشهد عند ه بشهادة فقال له شُريك: الصلوة من الايمان؟ فقال حمادلم يجز هذا فقال شُريك لكنا نبدا بهذا فقال نعم هى من الايمان قال فتشهد الان .اه".

"حماد بن ابی حنیفہ شریک کے روبرو گواہی دینے کے لئے آئے۔ شریک اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا نماز ایمان میں داخل ہے؟ حماد کہنے لگے ہمارا آنا بحث کیلئے نہیں ہے ۔شریک فرمانے لگے۔ ہمیں تو اس کا جواب پہلے چاہیئے۔ حماد نے جواب دیا کہ ہاں نماز ایمان میں سے ہے۔ شریک نے فرمایا کہ تو اب گواہی دے سکتا ہے"۔

اور اسی عقیدہ کی بنا پر وہ ترک الصلوٰۃ کو کفر نہیں کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ سلف صالحین اور صحابہ و تابعین کے عقیدے کے خلاف ہے۔

واخرج الترمذی عن عبد اللہ بن شقیق قال کان اصحاب رسول اللہ ﷺ لا یرون شیئا من الاعمال ترکہ کفرا غیر الصلوۃ. کذا فی المشکوۃ ص ۵۹.

"امام ترمذی روایت لائے ہیں کہ عبداللہ بن شقیق نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف تارک صلوٰۃ کو کافر گردانتے تھے، جیسا کہ مشکوۃ صفحہ ۵۹ پر ہے"۔

اور امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

" وقد جاء عن عمر و عبد الرحمن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی ھریرۃ وغیرھم من الصحابۃ رضی اللہ عنھم ان من ترک الصلوٰۃ فرضاً واحدا متعمدا حتی یخرج وقتھا فھو کافر مرتد ولا نعلم لھٰؤلاء مخالفۃ .اھ. کذافی الترغیب والترھیب للمنذری ص ۳۷۳ ج ۱".

"سیدنا عمرؓ عبد الرحمٰن بن عوفؓ معاذ بن جبلؓ اور ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ سے منقول ہے کہ جس نے جان بوجھ کر صرف ایک نماز فرض چھوڑ دی یہاں تک کہ اس نماز کا وقت نکل گیا تو وہ کافر اور مرتد ہو گیا اس بات میں ان کی کسی نے

مخالفت نہیں کی۔ جیسے کہ ترغیب الترہیب للمنذری جلد نمبر ا ص ۳۷۳ میں ہے"۔

اور حافظ عبدالحق اشبیلی کتاب الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں:۔

" ذهب جملة من الصحابة رضى الله عنهم ومن بعدهم الى تكفير تارك الصلوٰة متعمداً تركها حتى يخرج جميع وقتها منهم عمر بن الخطاب ومعاذ بن جبل و عبد الله بن مسعود و ابن عباس و جابر وابو الدارداء وكذالك روى عن على بن ابى طالب كرم الله وجهه.هؤلا من الصحابة' ومن غيرهم احمد بن حنبل واسحق بن راهويه وعبد الله بن المبارك وابراهيم النخعى والحكم بن عتيبة وايوب السختيانى و ابوبكر بن ابى شيبة وابو خيثمة زهير بن حرب.اه.كذا فى كتاب الصلوٰة لا بن القيم ص ٤١".

"تمام صحابہ کرامؓ اور بعد میں آنے والے علماء حقہ قصداً نماز چھوڑنے والے کو کافر سمجھتے تھے۔ انہی میں حضرت عمر بن خطابؓ، معاذ بن جبلؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابودرداءؓ ہیں۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ صحابہ کرام کے علاوہ دیگر ائمہ کرام جیسے احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ عبداللہ بن مبارک، ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ، ایوب سختیانی، ابو داؤد طیالسی، ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابو خثیمہ زہیر بن حرب سب اسی کے قائل ہیں۔ ابن قیم کی کتاب الصلوٰۃ میں صفحہ ۴۱ پر اسی طرح مذکور ہے:۔

اور پھر صفحہ ۵۳ میں فرماتے ہیں:۔

(فصل)فی سیاق اقوال العلماء من التابعین ومن بعدھم فی کفر تارك اللصلوٰة ومن حکی الاجماع علی ذالك وقال محمد بن نصر حدثنا محمد بن یحییٰ حدثنا ابو النعمان حدثنا حماد بن زید عن ایوب قال ترك الصلوٰة کفر لا یختلف فیه وحکیٰ محمد عن ابن مبارك قال من اخر صلوة حتی یفوت وقتها متعمداً من غیر عذر فقد کفر وقال علی بن الحسین بن شقیق سمعت عبد اللہ بن المبارك یقول من قال انی لا اصلی الکمتوبة الیوم فهو اکفر من حمار وقال یحییٰ بن معین قیل لعبد اللہ ابن المبارك ان هئولا ء یقولون من لم یصم ولم یصل بعد ان یقربه فهو مؤمن مستکمل الایمان فقال عبداللہ لا نقول نحن ما یقول هؤلا من ترك الصلوة متعمداً من غیر علة حتی أدخل وقتاً فی وقت فهو کافر.

"(فصل) تابعین اور بعد کے علماء کے تارک نماز کے بارے میں اقوال اور اس شخص کا بیان جس نے تارک نماز کے کافر ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ محمد بن نصر فرماتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا محمد بن یحییٰ نے اس نے کہا ہم کو بیان کی ابو نعمان نے اس نے کہا ہمیں حدیث سنائی حماد بن زید نے کہ ایوب فرماتے ہیں کہ نماز کا چھوڑنا کفر ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور محمد بیان کرتے ہیں عبد اللہ بن مبارک نے کہا کہ جس نے قصداً نماز ترک کر دی یہاں تک کہ اس کا وقت گزر گیا، تو وہ بلا عذر ایسا کرنے سے کافر ہو گیا۔ علی ابن الحسین بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مبارک کو کہتے سنا کہ جس نے کہا کہ میں "آج فرض نماز نہیں پڑھوں گا" تو وہ گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں

کہ عبداللہ بن مبارک کو بتایا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز اور روزے کا اقرار تو کرے لیکن ان کو ادا نہ کرے تو وہ کامل ایمان والا مومن ہے عبداللہ بن مبارک فرمانے لگے ہمارا یہ مذہب نہیں ہے۔ جو شخص بلا سبب نماز نہ پڑھے اور وقت نکل جائے اور اگلی نماز کا وقت شروع ہو جائے تو وہ ہمارے نزدیک کافر ہے۔

وقال ابن ابی شیبة قال النبی ﷺ من ترك الصلوٰة فقد كفر، فیقال له: ارجع عن الكفر فان فعل وإلاقتل بعد ان یؤجله الوالی ثلاثة ایام وقال احمد بن یسار سمعت صدقة بن الفضل سئل عن تارك الصلوة فقال: كافر، فقال له السائل أتبین منه امرأته؟ فقال صدقة واین الكفر من الطلاق، لو ان رجلا كفر لم تطلق منه امرأته؟ قال محمد بن نصر او سمعت اسحاق یقول صح عن النبی ﷺ ان تارك الصلوٰة كافر، وكذالك كان رای اهل العلم من لدن النبی ﷺ الی یومنا هذا ان تارك الصلوٰة عمداً من غیر عذر حتی یذهب وقتها كافر. اھ .

"اور ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ فرمان نبوی ﷺ ہے نماز کو قصداً ترک کرنے والا کافر ہے۔ اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ کفر سے باز آجائے اگر توبہ کرے تو بہتر ہے ورنہ حاکم وقت تین دن کی مہلت کے بعد اس کا سر قلم کر دے۔ احمد بن یسار فرماتے ہیں کہ صدقہ بن فضل سے تارک صلوٰۃ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ کافر ہے سائل پوچھنے لگا کیا اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے؟ صدقہ نے جواب دیا کہ کفر کی طلاق سے کیا نسبت کیا اگر آدمی کافر ہو جائے تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہو؟ یعنی لازماً طلاق ہو جائے گی۔ محمد بن نصر

فرماتے ہیں کہ میں نے اسحاق کو کہتے سنا کہ نبی کریم ﷺ سے (بطریقِ) صحیح مروی ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے۔ زمانہ نبوی ﷺ سے لے کر آج تک علماء کا یہی مذہب رہا ہے۔ بلا عذر نماز کو قصداً ترک کرنے والا یہاں تک کہ اس نماز کا وقت فوت ہو جائے، کافر ہے"۔

ان عبارات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام اور آئمہ حدیث رحمہم اللہ، ترک الصلوٰۃ کو کفر کہنے پر متفق تھے۔ مزید تفصیل کیلئے کتاب الشریعۃ للآجری اور کتاب السنۃ لعبد اللہ بن احمد بن حنبل اور کتاب السنۃ للالکائی وغیرھا دیکھنی چاہئیں۔ برخلاف اس کے حنفیہ نماز کو ایمان نہیں کہتے نہ اس کو ایمان کا جز سمجھتے ہیں تو ایسی صورت میں ان کی اقتداء میں نماز کیسے درست ہو سکتی ہے؟ نیز جب وہ نماز کو ایمان نہیں جانتے تو معلوم نہیں کیا پڑھ رہے ہیں اور اسی عقیدہ کی بنا پر حنفیہ کو فرقہ مرجیہ میں شمار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شیخ عبد القادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے۔ اور حنفیہ کے مایہ ناز عالم عبد الحیٔ لکھنوی نے بھی کتاب الرفع والتکمیل میں تسلیم کیا ہے نیز امام ابو داؤد سجستانی کتاب مسائل الامام احمد بن حنبل صفحہ ۲۴۳ میں فرماتے ہیں کہ:۔

قلت لاحمد اصلی خلف المرجیة قال اذا کان داعیا لا یصلی خلفه آه.

"میں نے احمد بن حنبل سے کہا کہ میں مرجیہ کے پیچھے نماز پڑھ لیا کروں؟ یا پڑھ لیتا ہوں۔ وہ فرمانے لگے جب مرجیہ فرقہ سے تعلق رکھنے والا اپنے باطل مذہب کی دوسروں کو دعوت اور ترغیب دینے والا ہو اس وقت اس کے پیچھے نماز مت پڑھو"۔

نیز اس کی بابت کتاب السنۃ لعبد اللہ بن احمد بن حنبل اور التاریخ الکبیر للامام البخاری اور مسائل الامام محمد بن عثمان ابی شیبہ (قلمی) وغیرہ کتابیں مطالعہ کرنی

چاہئیں۔ پس اس عقیدہ کے علاوہ مذکورہ بالا عقائد بھی ان کی اقتداء سے مانع ہیں۔ اوران کے پیچھے نماز کو درست قرار دیتے ہیں۔ ان کی مشہور دو دلیلیں ہیں۔

اوّل: یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ صلو اخلف کل برو فاجر (ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو) حالانکہ یہ روایت غیر صحیح اور قطعاً ثابت نہیں ہے۔

" فقد اخرجه ابو دائود والدارقطني واللفظ له والبيهقي من حديث مكحول عن ابي هريرة وزاد "وجاهدو مع كل بروفاجر" وهو منقطع وله طريق اخرى عند ابن حبان في الضعفاء من حديث عبد الله بن محمد بن يحييٰ ابن عروة عن هشام عن ابي صالح عنه ' وعبد الله متروك ودواه الدارقطني من حديث الحارث عن علي ومن حديث علقمة و الاسود عن عبد الله ومن حديث مكحول ايضاً عن واثلة، ومن حديث ابي الدرداء من طرق كلها واهية جداً قال العقيلي ليس في هذا المتن اسناد يثبت، وللبيهقي في هذا الباب احاديث كلها ضعيفة غاية الضعف وأصح مافيه حديث مكحول عن ابي هريرة على ارساله وقال ابو احمد الحاكم هذا حديث منكر .آه. كذا في التلخيص الجير لابن حجر ص۱۲۵ ج۱ طبع مصر و باكستان".

"اس حدیث کو ابو داؤد اور الدارا قطنی نے روایت کیا ہے لفظ دارقطنی کے ہیں اور بیہقی میں مکحول کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے اور اس میں یہ لفظ زائد ہیں۔" وجاهدا و مع كل بروفاجر" (جہاد کرو نیک اور بد کی قیادت میں) یہ روایت منقطع ہے، ابن حبان کے نزدیک الضعفاء میں اس حدیث کی ایک دوسری

سند ہے جو کہ یہ ہے۔ عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ بن عروہ ہشام سے روایت کرتے ہیں ابی صالح سے اور عبد اللہ متروک راوی ہے۔ الدار قطنی نے حارث کی حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور علقمہ اور الاسود کی حدیث عبد اللہ سے روایت کی ہے اور مکحول کی حدیث واثلہ سے بھی روایت کی ہے اور ابو الدرداء کی حدیث بھی لائے ہیں لیکن یہ تمام اسانید بالکل کمزور ہیں۔ عقیلی فرماتے ہیں کہ اس متن کی کوئی سند بھی ثابت نہیں ہے اور امام بیہقی کی اس باب میں تمام روایتیں انتہائی کمزور ہیں۔ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث مکحول کی حدیث ابو ہریرہ سے ہے۔ وہ بھی مرسل ہے۔ ابو احمد الحاکم فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے۔ علامہ ابن حجر کی کتاب التلخیص الحبیر جلد ۱/۲ صفحہ ۳۵ طبع مصر اور پاکستان میں اس طرح تفصیل ہے۔

اور امام ابو داؤد نے بھی اس روایت کو بوجہ منقطع ہونے کے ضعیف کہا ہے۔ کذا فی نصب الرایۃ للزیلعی الحنفی۔ ص ۲۷ جلد ۲۔ اور امام عبد العظیم المنذری مختصر سنن ابو داؤد صفحہ ۳۸ میں اسی روایت کے تحت لکھتے ہیں:۔

لم یسمع مکحول عن ابی هریرة ۔اه. مکحول کا سماع ابو ہریرہ سے ثابت نہیں ہے۔

اور اسی طرح امام شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۱۷۴ جلد ۳ میں اور علامہ شمس الحق عظیم آبادی عون المعبود شرح سنن ابی داؤد صفحہ ۳۲۵ ج ۲ اور علامہ سیوطی نے الجامع الصغیر صفحہ ۳۸ جلد ۲ اور علامہ مناوی فیض القدیر شرح جامع الصغیر صفحہ ۲۶۰ جلد ۳ اور علامہ امیر یمانی سبل السلام صفحہ ۲۹ ج ۲ میں وغیر ہم علماء نے اپنی کتابوں میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ پس یہ روایت ہی ثابت نہیں تو پھر اس سے استدلال بھی درست نہیں

ثانیاً: یہاں بریافاجر (نیک یابد) کاسوال نہیں بلکہ یہاں عقیدے کی بحث ہے۔ لہذا یہ روایت علی تقدیر تسلیم الصحت (صحیح ماننے کی صورت میں) بھی خارج عن النزاع (بحث سے خارج) ہے۔

دوسری دلیل بخاری کتاب الصلوۃ باب امامۃ المفتون المبتدع) میں روایت ہے کہ امیر المومنین عثمانؓ جب کہ وہ اپنے گھر میں محصور تھے۔ان سے سوال کیا گیا کہ ان بلوائیوں کا مسجد پر قبضہ ہے اور جماعت کرا رہے ہیں۔کیاان کے ساتھ نمازادا کرے یانہ؟ جواب میں کہاکہ :۔

"الصلوٰۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم فاذا اساء وافاجتنب اساء تھم".

"لوگوں کے تمام اعمال میں نماز سب سے بہتر عمل ہے۔لہذالوگ جب اچھاکام کریں توان کے ساتھ نیکی میں شامل ہو جاؤ اور جب وہ براکام کریں توان غلط کاموں سے بچواورالگ رہو"۔

مگراس روایت سے بھی استدلال ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ اس وقت کوئی حنفی نہ تھااورنہ اس قسم کے فاسد عقائد ظاہر ہوئے تھے جن کااوپر ذکر ہواہے اور ثابت کردیاگیایہ عقائد سلف کے عقائد کے خلاف ہیں۔الحاصل صحت اور جواز کا دعویٰ کرنے والوں کے پاس بھی معقول یا قابل تسلیم دلیل نہیں۔اور جب کہ ثابت ہوا۔ حنفیوں کے عقائد اہل السنّت وسلف صالحین کے عقائد کے خلاف ہیں۔ لہذاایسا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کودرست نہیں کہاجاسکتا۔

هذا ما عندنا والله اعلم بالصواب

ہماری آئندہ آنے والی مطبوعات

۱۔ توحید ربانی یعنی سچی مسلمانی — علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

۲۔ تنقید سدید اجتہاد و تقلید — ایضاً

۳۔ فقہ و حدیث — ایضاً

۴۔ توحید خالص — ایضاً

۵۔ خطبات راشدیہ حصہ دوم — ایضاً

۶۔ قر□ۃ نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھنا — ایضاً

۷۔ چالیس احادیث — ایضاً

۸۔ بدیع الرسائل — ایضاً

۹۔ بدیع الفتاویٰ — ایضاً

۱۰۔ عین شین اردو — ایضاً

۱۱۔ رزق میں آخر حلال ہی کیوں؟ — فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

۱۲۔ تقدیر کیا ہے؟

۱۳۔ سنت کی آئینی اہمیت و منکرین حدیث کے شبہات کا ازالہ

تمام مخلص حضرات اور دین کا درد رکھنے والے دوستوں سے گذارش کی جاتی ہے کہ یہ کتابیں خرید کر کے خود پڑھیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔

مخیّر حضرات سے اس کارِ خیر میں خصوصی تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔

جمعیت اہلحدیث سندھ

کراچی ڈویژن کی مطبوعات



